فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ الآیۃ (بقرہ) بھی پھروگے اسی طرف اللہ ہے۔

تفصیل بالا سے وہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ اس طرح دخل مقدر محذوف ہوتا ہے تو کیوں نہ آیات مستفسر عنہا میں بھی دخل مقدر مان لیں جب کہ کوئی وقت بھی نہیں ہے۔ رہی ابن عباس اور دیگر مفسرین کی تصریح تو انشاء اللہ اگر ضرورت ہوئی تو اس کی تحقیق ہم آئندہ کریں گے۔

استدراک

از ایڈیٹر

دخل مقدر اور تبدیل خطاب ماننے کے لیے سب سے پہلے اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ کلام کو اس کے متبادر معنی سے پھیرنا صرف اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب کہ وہ معنی لینے سے کوئی قباحت واقع ہوتی ہو۔ اگر کسی قباحت کے بغیر اس کے متبادر معنی لیے جا سکتے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم خواہ مخواہ ایک دخل مقدر فرض کریں اور الفاظ کو سیدھے سادھے مفہوم سے پھیر کر بعید اور بعید تر تاویلات کی طرف لے جائیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ آیات زیر بحث کا صریح اور متبادر مفہوم تو وہی ہے جو ہر شخص اول نظر میں سمجھتا ہے اور وہی مفہوم ۱۳ سو برس تک تمام مفسرین اور مترجمین قرآن سمجھتے رہے ہیں قبل اس کے کہ آپ اس مفہوم کو چھوڑ کر کوئی دخل مقدر فرض کریں آپ کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اس متبادر مفہوم میں فی الواقع کوئی قباحت ہے۔ آپ جو قباحتیں بیان فرماتے ہیں ہم کو اس کے قباحت ہونے ہی میں کلام ہے۔ ایسی صورت میں آپ کی یہ پوری بحث جو ایک خاص دخل مقدر کی تائید میں آپ نے تحریر فرمائی ہے، قبل از وقت ہے۔ پہلے آپ معنی متبادر کی قباحت ثابت کیجیے۔ اس کے بعد یہ سوال زیر بحث آ سکتا ہے کہ صحیح معنی متعین کرنے کے لیے کونسا دخل مقدر مانا جائے اور کس کو ان آیات کا مخاطب قرار دیا جائے۔

آپ نے قرآن مجید سے دخل مقدر کی جتنی مثالیں بیان فرمائی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ آیات کو ان کے صریح اور عام فہم معنی سے پھیرتی نہیں ہیں بلکہ اسی معنی کی مزید توضیح کرتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس قسم کے دخل مقدر سے خالی الذہن ہو تب بھی وہ آیات کا ایک سیدھا سادھا مفہوم سمجھ سکتا ہے، اور دخل مقدر ماننے والا اُس سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو نے ان کا بالکل غلط مفہوم سمجھا ہے۔ اس طرح کا دخل مقدر ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر اس پر قیاس کرکے ایسے دخل مقدر کو جائز ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کو ماننے سے آیات اپنے صریح معنی سے پھر جاتی ہوں۔

مزید براں آپ کی پیش کردہ مثالوں میں جتنے دخل مقدر بیان کیے گئے ہیں وہ یا تو خود قرآن میں کہیں نہ کہیں مذکور ہیں، یا قرآن سے باہر کسی نہ کسی جگہ ان کا ذکر آیا ہے، اور ہر شخص کے لیے یہ ممکن ہے کہ تحقیق کرکے ان کا پتہ لگالے۔ بخلاف اس کے یہ خاص دخل مقدر جسے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں، نہ قرآن میں مذکور ہے نہ کسی اور جگہ۔ اس کا پتہ صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جس کے دل میں وہی بات کھٹکے جو آپ کے دل میں کھٹکی ہے، اور جس کا طریق فکر وہی ہو جو آپ کا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ دخل مقدر کہیں باہر موجود نہیں ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کے ذہن کی پیداوار ہے جس شخص کا ذہن اس خاص قسم کا نہیں ہے، وہ قیامت تک اس دخل مقدر کا پتا نہیں لگا سکتا، بلکہ اس کے دل میں شاید اس کی جستجو کا خیال بھی نہیں آسکتا۔ میں یہ بات کسی مبالغہ کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ آج تک جن لوگوں نے قرآن کی تفسیر اور ترجمہ کیا ہے ان میں سے کسی کا ذہن اس دخل مقدر تک نہیں پہنچا، اور جو لاکھوں کروڑوں انسان اس کتاب پاک کی تلاوت کرتے ہیں ان میں بھی شاید ہی کسی کی رسائی وہاں تک ہوئی ہو۔ پھر کیا قرآن ایک معما اور چیستاں ہے کہ اس کے فہم کے دروازے عام انسانوں پر بند ہیں؟ اور کیا اس کی آیات ایسی گنجلک ہیں کہ ان کے معانی سمجھنے کے لیے دور دور سے دخل مقدر تلاش کرکے لانے کی ضرورت ہے؟

آپ نے تبدیل خطاب کی بھی بہت سی مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ مگر آپ خود ان مثالوں پر غور

فرمائیے۔ ان میں ہر جگہ تبدیل خطاب بالکل فطری انداز بیان میں ہوئی ہے۔ ایک عامی ان کو پڑھ کر آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کس جگہ کون مخاطب ہے بخلاف اس کے آیات زیر بحث میں جو تبدیل خطاب آپ تجویز فرما رہے ہیں وہ ایک عامی تو درکنار علماء کے فہم سے بھی بعید ہے۔ کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ مسلمانوں سے خطاب کرتے کرتے دفعتہً یہودیوں کی طرف کہاں خطاب ہو گیا اور پھر مسلمانوں کی طرف کہاں راجع ہو گیا۔ اس قسم کی تبدیل خطاب کی کوئی مثال ہمیں قرآن میں نہیں ملتی۔

آپ نے نظام سورہ سے بھی استدلال فرمایا ہے مگر آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ نظام سورہ سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس طریق استدلال کو چھوڑ کر اگر آپ ترتیب نزول اور نظام سورہ دونوں سے مدد لیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آیات زیر بحث کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ سے متبادر ہوتا ہے اور جس کو عام طور پر قرآن کے مفسرین و مترجمین نے سمجھا ہے۔ سب سے پہلے سورہ محمدؐ کی ابتدائی آیات پڑھیے روایات سے قطع نظر، خود قرآن کی اندرونی شہادت سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ آیات ہجرت کے بعد اور جنگ سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ ان میں ارشاد ہوا ہے:-

"جن لوگوں نے دین حق کو ماننے سے انکار کیا اور اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکا، اللہ نے ان کے اعمال کو رائگاں کر دیا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اس ہدایت کو جو محمد پر نازل ہوئی ہے مان لیا کہ وہی ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان پر سے اتار دیے اور ان کی حالت درست کر دی۔ یہ اس لیے کہ کفر کرنے والوں نے باطل کا اتباع کیا اور ایمان لانے والوں نے اس حق کا اتباع کیا جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اس طرح اللہ ان دونوں گروہوں کو لوگوں کے لیے مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ پس اے مسلمانو! جب تمہاری مڈبھیڑ ان کافروں سے ہو تو پہلے گردنیں مارنا پھر جب ان کا زور اچھی طرح توڑ دو

تو قید کر لینا اس کے بعد تمہیں اختیار ہے خواہ احسان سے پیش آؤ خواہ فدیہ لے کر چھوڑ دو، حتی کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھدے۔ یہ ہدایت تم کو دیجاتی ہے۔ اگر خدا چاہتا تو خود ہی ان سے بدلے لیتا (تمہارے لڑنے کی نوبت ہی نہیں آتی) اگر یہ (لڑائی کا طریقہ) اس لیے ہے کہ وہ تم میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ انکے اعمال کو رائیگاں نہ کرے گا۔ وہ انہیں منزل مقصود کو پہونچا دے گا اور ان کا حال درست کریگا اور اس جنت میں انھیں داخل کرے گا جس سے وہ پہلے ہی ان کو روشناس کرا چکا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے کام آؤ گے تو اللہ تمہارے کام آئے گا اور تمہیں ثابت قدم بنا دے گا۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے، اللہ نے ان کے اعمال کو رائگاں کر دیا یہ اس لیے کہ انہوں نے پسند نہ کیا اس ہدایت کو جو اللہ نے نازل کی ہے۔ لہذا اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیے۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر و سفر کر کے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے جو قومیں گذر چکی ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو تہس نہس کر دیا اور ایسا ہی کچھ دوسرے کافروں کو بھی پیش آنا ہے ...... کتنی ہی بستیاں تھیں جن کے باشندے اس بستی کے باشندوں سے بہت زیادہ بل بوتا رکھتے تھے جس کے لوگوں نے اے پیغمبر تجھ کو گھر سے نکالا ہے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور کوئی انکا مددگار نہ کھڑا ہوا" (سورہ محمدؐ رکوع اول و دوم)

اس عبارت اور خصوصاً اس کے خط کشیدہ فقروں پر غور کیجیے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی، مسلمان ابھی نئے نئے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اب دوسری اور زیادہ سخت کٹھائی کی طرف بڑھنے کے لیے ان کو تیار کیا جا رہا ہے۔ ان کے نفوس میں وہ خاص طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو دنیا کے لیے نہیں بلکہ صرف خدا کے لیے لڑنے والے مجاہدین کے نفوس میں ہونی چاہیے اس کے ساتھ ہی ان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ دیکھو! لڑائی کے موقع پر اپنی تمام توجہ کفار کا زور

توڑنے کی طرف صرف کرنا۔ مال کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اپنا کام پورا کر لینے کے بعد تم قیدی بھی پکڑ سکتے ہو اور ان سے فدیہ بھی لے سکتے ہو۔ لیکن چونکہ تمہاری جنگ حق کے لیے ہے، متاعِ دنیا کے لیے نہیں ہے، اس لیے کفر کی کمر توڑنے سے پہلے مال لینے کا خیال بھی نہ کرنا۔

اس کے بعد جنگ بدر پیش آتی ہے۔ تاریخ میں پہلی جنگ تھی جو بالکل ایک نرالے مقصد اور بالکل نئے اصولوں کے تحت لڑی جا رہی تھی۔ عرب تو کیا، دنیا کی کوئی قوم بھی اس وقت تک ایسی جنگ سے واقف نہ تھی جس میں کسی دنیوی غرض کا قطعاً کوئی لگاؤ نہ ہو۔ جس میں بھائی سے بھائی، باپ سے بیٹا اور رشتہ دار سے رشتہ دار صرف اصول کی خاطر لڑنے کے لیے نکلا ہو۔ صحابہ کرام اگرچہ کئی سال سے ایسی نفسی تربیت پا رہے تھے جو ان کو اس خاص قسم کی لڑائی کے لیے تیار کرنے والی تھی۔ مگر ابھی تک عملی امتحان نہیں ہوا تھا۔ خود سرکارِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس نئی اور بالکل نرالی جنگ کی قیادت کا پہلا موقع تھا۔ ایسی حالت میں بالکل ایک فطری بات تھی کہ جنگ میں صحابہ سے کچھ نہ کچھ لغزشیں سرزد ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقصد کو پورا کرنے میں کچھ نہ کچھ کوتاہیاں باقی رہ جاتیں۔ چنانچہ ایسا ہوا جس کی شہادت قرآن اور تاریخ دونوں سے ملتی ہے۔

جنگ کے بعد، اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال نازل کی۔ چونکہ اس فوج کا اصلی جنرل خود اللہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم محض اس کی ہدایت کے تحت اس کے نائب کی حیثیت سے کمانڈ کر رہے تھے، اس لیے لڑائی ختم ہونے کے بعد جنرل نے لڑائی پر تبصرہ کیا اور اس تبصرہ میں ایک طرف یہ بتایا کہ تمہارے دشمنوں کی اصل کمزوریاں کیا تھیں جنہوں نے ان کو ناکام کیا اور تمہاری طاقت کے اصل اسباب کیا ہیں جن کی بدولت تم فتحیاب ہوئے اور آئندہ بھی فتحیاب ہو سکتے ہو۔ دوسری طرف اس نے وہ کوتاہیاں بھی بتائیں جو اس کی فوج اور اس کے جلیل القدر نائب سے رہ گئی تھیں، تاکہ دوسری لڑائیوں کے موقع پر ان سے اجتناب کیا جائے۔

جنگ کے بعد مسلمانوں کے دل میں پہلی فکر یہ پیدا ہوئی کہ یہ اموال غنیمت جو ہاتھ آئے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ جو دل کے چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف تھا، اس نے سب سے پہلے اسی چوری کو پکڑا۔ وہ ان لوگوں کو ایسی جنگ کے لیے تیار کرنا چاہتا تھا جس میں دنیوی غرض کا شائبہ تک نہ ہو۔ اس لیے اس نے مال کی اس کی دبی چھپی طلب کو بھی مٹا دینا چاہا جو اس کی فوج کے دل میں راہ پا رہی تھی۔ اس نے فرمایا:-

"یہ لوگ مال غنیمت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ مال غنیمت تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ تم اللہ سے ڈر کر پرہیزگاری اختیار کرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو (کہ مال کی محبت میں ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے حسد نہ پیدا ہو) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔"

(سورۂ انفال۔ آیت اول)

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں جنگ کے لیے نکل رہے تھے تو مجاہدین میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے دل چھوٹے جاتے تھے اور ہمت پست ہوئے جا رہی تھی۔ غریب الدیار تھے۔ روٹی اور کپڑے تک کو محتاج تھے۔ جنگ کے لیے پورے ہتھیار تک نہ رکھتے تھے۔ اور دیکھ یہ رہے تھے کہ ہم مٹھی بھر آدمیوں کو صرف قریش سے نہیں بلکہ تمام عرب سے لڑایا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں دل شکستہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ضعف ایمانی کی وجہ سے ان میں کمزوری پیدا ہوئی تھی، اس لیے ان کو اس کمزوری اور اس کے سبب دونوں کی طرف متوجہ کیا اور انھیں ایسی تعلیم دی کہ ان کے نفس میں طاقت پیدا ہو۔ فرمایا:-

"مومن تو وہ ہیں کہ ان کے سامنے جب خدا کا نام لیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھیں اور جب خدا کی آیات ان کے سامنے پڑھی جائیں تو ان کا ایمان اور زیادہ

بڑھ جائے۔ سچے مومن وہی ہیں جو ہر حال میں صرف خدا پر بھروسہ رکھیں، نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اسے ہماری راہ میں خرچ کر دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اپنے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں، گناہوں کی معافی ہے، عزت کی روزی ہے۔ جس طرح تیرے رب نے تجھے حق کی خاطر لڑنے کے لیے گھر سے نکالا تو مومنین میں سے ایک گروہ دل میں راضی نہ تھا۔ وہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی تجھ سے جھگڑ رہے تھے (کہ جنگ کیلیے جائیں یا نہ جائیں) ان کا حال ایسا تھا کہ گویا آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں"۔ (سورۂ انفال رکوع اول)۔

جنگ بدر کے موقع پر ایک طرف سے قریش کا تجارتی قافلہ مال کثیر لیے ہوئے آ رہا تھا اور دوسری طرف سے قریش کی فوج چلی آ رہی تھی۔ مسلمانوں میں سے ایک بڑی جماعت چاہتی تھی کہ قافلہ پر حملہ کیا جائے تاکہ آسانی سے اس کو شکست دیکر مال حاصل کیا جا سکے۔ یہ بھی ایک کمزوری تھی جو اسلامی جہاد کی اصلی غرض اچھی طرح ذہن نشین نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تبصرہ میں اس پر بھی تنبیہ فرمائی۔

"اور جب اللہ نے تمہارے سامنے دو گروہوں کو پیش کیا کہ ان میں سے کوئی ایک گروہ تمہارے ہاتھ آ جائے گا، تو تم چاہتے تھے کہ جو گروہ لڑائی کی طاقت نہیں رکھتا وہ تمہارے ہاتھ آ جائے۔ مگر اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق مضبوط بنیاد پر قائم ہو جائے اور باطل، باطل ہو کر رہ جائے، خواہ مجرمین اس پر راضی نہ ہوں"۔ (سورۂ انفال رکوع اول)۔

دوران جنگ میں جب کفار شکست کھا کر بھاگنے لگے تو مسلمان عرب کی قدیم عادت کے مطابق کفار کا پیچھا چھوڑ کر غنائم کی طرف جھک پڑے اور چند قیدیوں کو پکڑ کر مال غنیمت لیے ہوئے مدینہ کی

طرف فاتحانہ واپس ہو گئے پھر مدینہ پہنچ کر صحابہ کے مشورہ سے حضور اکرمؐ نے فدیہ بھی قبول کر لیا اور انھیں چھوڑ دینے کا تصفیہ کیا۔ یہ فعل اگرچہ اس اجازت کے مطابق تھا جو سورۂ محمدؐ میں قبول فدیہ کی بابت دی گئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو شرط لگائی تھی کہ قیدیوں کو گرفتار کرنے اور فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دینے سے پہلے کفار کا زور توڑنا ضروری ہے، اس شرط کی تکمیل میں کوتاہی کی گئی۔ اس پر حق تعالیٰ نے اپنی فوج کے سپاہیوں اور خود اپنے نائب کو اس طرح تنبیہ فرماتا ہے:۔

"کسی نبی کو یہ سزاوار نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں تاوقتیکہ وہ زمین میں (کافروں) کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگوں کے پیش نظر دنیا کے فائدے ہیں۔ مگر اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اگر اس سے پہلے خدا کی اجازت نہ آچکی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر سخت عذاب تمھیں آگھیرتا۔ خیر اب جو مال غنیمت تم حاصل کر چکے ہو وہ حلال اور پاک ہے، اسے کھاؤ پیو اور اللہ سے ڈرتے رہو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورۂ انفال رکوع ۹)۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات سمجھ لیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات پر تنبیہ کی گئی ہے وہ صرف پہلے فقرے میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی آپ کو صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اے نبی تم نے اثخان فی الارض کی شرط جو لگائی تھی اس کو تم نے پورا نہیں کیا اور اس کی تکمیل کیے بغیر قیدی پکڑ بھی لیے اور ان سے فدیہ بھی قبول کر لیا! اس کے بعد دوسرے فقرے میں عام مجاہدین کو چشم نمائی کی گئی ہے کہ تم ہماری ہدایت کے خلاف غنیمت پر کیوں جھک پڑے، حالانکہ تم کو سمجھا دیا تھا کہ تمہاری جنگ دنیا کے لیے نہیں ہے بلکہ آخرت کے لیے ہے۔ اس فقرہ میں صیغۂ جمع کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے، لہذا اس کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مسلمان ہیں، اور یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس سے حضورؐ پر دنیا طلبی کا الزام آتا ہے۔